بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

ماہ گذشتہ میں یہ خبر ہندا ور پاکستان میں خصوصاً اور دوسرے ملکوں میں عموماً نہایت دکھ اور رنج کے ساتھ سنی گئی کہ پاکستان کے وزیر اعظم جناب لیاقت علی خاں ۱۶ ر اکتوبر کی شام کو ۴ بجے کے قریب راولپنڈی میں ایک عظیم اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے بڑی سفاکی اور بے دردی کے ساتھ شہید کر دیے گئے۔ انا للہ! بعض لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان کی طبعی صلاحیتیں اور فطری خوبیاں کوئی مناسب ماحول نہ ملنے کی وجہ سے گوشۂ خمول وگمنامی میں پڑی سوتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ عمر کا ایک طویل حصہ اسی طرح بسر ہو جاتا ہے لیکن پھر یکایک کوئی مناسب ماحول پیدا ہوتا ہے اور ان صلاحیتوں کے ظہور و بروئے کار آنے کے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور وہ ہی شخص جسے کم آدمی جانتے تھے ایک دن صبح کو اٹھتا ہے تو فضا اس کی شہرت و ناموری کی داستانوں سے معمور نظر آتی ہے۔ شہید مرحوم بھی اسی قسم کی ایک عظیم شخصیت کے انسان تھے وہ یوپی کے ضلع مظفر نگر کے ایک معمولی سے قصبہ میں پیدا ہوئے الٰہ آباد اور علی گڈھ میں تعلیم پانے کے بعد ولایت چلے گئے وہاں سے آکر اگرچہ وہ نوکری بڑی سے بڑی کر سکتے تھے لیکن ان کی طبیعت کو اس سے میل نہ تھا۔ قوم کی خدمت کا جذبہ شروع سے رکھتے تھے۔ لیکن مزاج میں انقلاب پسندی اور ہنگامہ آفرینی بالکل نہ تھی اس لئے حصول آزادی کی ان تحریکوں سے الگ رہے جن سے وابستگی حکومت وقت کے خلاف غیر قانونی بغاوت و سرکشی کے ہم معنی سمجھی جاتی تھی اور آئینی طریقہ پر ملک اور قوم کی خدمت کی راہ پر گامزن ہو گئے چنانچہ اس سلسلہ میں وہ ایک طرف آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے وابستہ رہے اور دوسری جانب یوپی کونسل میں قومی نقطۂ خیال کی وضاحت و ترجمانی کرتے رہے اس حیثیت سے ان کی شہرت یو۔پی کے ایک مخصوص تعلیم یافتہ طبقہ کے دائرہ میں محدود رہی جس میں وہ نواب زادہ کے لقب سے معروف تھے اس کے بعد انھوں نے بہت ترقی کی تو ایک طرف مرکزی اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے اور دوسری جانب آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری مقرر ہو گئے۔ اس زمانہ میں اگرچہ ان کی شہرت یوپی کی حدود سے گذر کر دور دور تک پہنچی لیکن واقعہ یہ ہے کہ عوام کے دلوں میں اُن کی عظمت کا اب بھی ایسا گہرا احساس نہیں تھا جو والہانہ گرویدگی اور بزرگی کا بیساختہ اعتراف پیدا کر دیتا ہے۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ایشیا کی سرزمین پر ایک نئی ریاست کی تشکیل عمل میں آئی اور نوابزادہ اس کے پہلے وزیر اعظم مقرر ہوئے تو اب وقت آیا کہ اون کی اصل طبعی صلاحیتیں ابھریں اور قدرت نے اون میں ایک سنجیدہ فکر سیاسی مدبر بننے کی جو اہلیت رکھی تھی وہ ظہور میں آئی۔ چنانچہ قیام ریاست سے لیکر شہادت کے وقت تک یعنی کل چار سال کی مدت میں انھوں نے اپنی مدبرانہ صلاحیتوں کا جو عملی ثبوت دیا اوس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سخت طوفانی اور حوصلہ شکن موجوں میں بھی اپنی کشتی کو سنبھالے رکھنے میں کامیاب ہو سکے انہیں عوام کا ایسا اعتماد حاصل تھا کہ جو بڑے بڑے لیڈر اور پرانے کارکن نہیں کر سکتے تھے وہ آسانی سے اسے انجام دے سکتے تھے۔ اگرچہ سیاست کی وقتی مجبوریوں کے باعث تقریر و تحریر میں کبھی کبھی اون کا لہجہ گرم اور تیز بھی ہو جاتا تھا لیکن طبعاً وہ ٹھنڈے دل و دماغ کے انسان تھے۔ قدم احتیاط سے اٹھاتے تھے۔ مگر جب ایک مرتبہ اٹھا لیتے تھے تو پھر کبھی واپس نہیں لیتے تھے اون کے کیرکٹر کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ شدید اشتعال کی حالت میں بھی وہ اپنے دماغی توازن کے شیرازہ کو درہم برہم نہیں ہونے دیتے تھے اور افکار و آلام کے ہجوم میں بھی ان کے چہرہ پر مسکراہٹ اور اطمینان کی کیفیت کھیلتی رہتی تھی زیادہ لمبی چوڑی تقریروں اور جلد جلد اخباری بیانات دینے کے عادی نہیں تھے۔ حاضر جوابی کے ساتھ رکھ رکھاؤ۔ اور ظرافت کے ساتھ معنی خیزی ان کی ذہانت اور حاضر دماغی کی دلیل تھی پرائیویٹ زندگی میں وہ کیسے ہی بے تکلف اور یار باش طرح ہوں لیکن پبلک لائف میں اپنے آپ کو لئے دئے رکھنا ان کی طبیعت کا جوہر تھا۔

اس زمانہ میں جب کہ پوری دنیا اپنی تمام وسعتوں اور سیاسی و جغرافیائی حد بندیوں کے باوجود سمٹ سمٹا کر مثل ایک خاندان یا قبیلہ کے ہو گئی ہے۔ مرحوم لیاقت علی خاں ایسے صلح پسند۔ اور ٹھنڈے دماغ کے بلند پایہ سیاسی لیڈر کا دفعۃً انتقال کر جانا صرف پاکستان کا نقصان نہیں اور جن حالات کے باعث یہ انتہائی دردانگیز اور ناگوار حادثہ پیش آیا ہے وہ صرف اس ریاست کے لئے تشویش انگیز نہیں بلکہ یہ نقصان پورے براعظم ایشیا کا نقصان ہے اور اسی طرح یہ صورت حال اس براعظم کے ہر ملک اور یہاں کی ہر ریاست کے لئے بے حد تشویش انگیز ہے یہی وجہ ہے کہ پورے ایشیا میں اور خاص طور پر ہند میں اس واقعہ نے رنج اور دکھ کے ساتھ اضطراب و تشویش کی لہر دوڑا دی ہے اور تھوڑی دیر کے لئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ تصادم افکار و خیالات کے باعث فضا میں جو تلاطم تھا وہ پرسکون سا ہو گیا ہے۔

فلسفۂ تاریخ کا یہ بھی ایک عجیب نکتہ ہے کہ جب کسی ملک یا قوم میں فتنہ و فساد کے عناصر اقتدار غاصب کے مالک ہو جاتے

ہیں اور خیر کی طاقتیں ان کے مقابلہ سے عاجز آجاتی ہیں تو اب اگر قدرت کو اس ملک یا قوم کا قایم رکھنا منظور ہوتا ہے تو وہ کسی مردِ حق آگاہ و حق پسند کو کھڑا کر دیتی ہے اور وہ اپنے خون کے قطروں سے شر و فساد کے ان عناصر کی آگ کو بجھانے میں کامیاب ہو جاتا ہے چنانچہ کربلا میں جو کچھ ہوا اس کے تکوینی اسباب کا جائزہ لینے کے بعد یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس وقت ملوکیت نے خلافت کو ختم کر کے اسلام کے لئے جو عظیم خطرہ پیدا کر دیا تھا۔ قدرت کے ازلی قانون کے مطابق اس کے دفع کرنے کی صورت بجز اس کے کوئی اور نہ تھی کہ اس عہد کی سب سے زیادہ گراں مایہ و بلند پایہ جان کو بھینٹ چڑھا دیا جائے اور ظاہر ہے کہ ایک جگر گوشۂ رسول سے زیادہ اور کس کی جان اس وقت زیادہ قیمتی اور گراں مرتبت ہو سکتی تھی۔ مرحوم محمد علی جوہر نے اسی حقیقت کو کس بلاغت سے بیان کیا ہے

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

پھر ابھی تقریباً چار سال پہلے سب نے دیکھا ہمارا ملک مذہبی جنون اور فرقہ وارانہ تنگ نظری و درندگی کی آگ میں چاروں طرف سے کس طرح جھلس کر رہ گیا تھا کہ حکومت تک اس پر قابو پانے میں ناکامیاب رہی تھی لیکن چونکہ قدرت کو اس ملک کا بقا منظور تھا اس لئے اس نے گاندھی جی کی شکل میں اس ملک کی سب سے زیادہ گرانقدر زندگی کو اس آگ کے شعلوں کے نذر کر دیا جس کا نتیجہ ہر ایک کے سامنے ہے کہ ایسا ہوتے ہی شر و فساد کے دیوتاؤں کی پیشانی پر پسینہ سا آگیا اور انھوں نے شرما کر جھٹ اپنی تلواریں میان میں کرلیں" مرحوم لیاقت علی خاں کا قتل بھی کچھ اسی نوع کے حالات و واقعات میں ہوا ہے مغلوب الغضبانیت کے باعث پاکستان میں جو یک بیک ایک نہایت شدید قسم کی بحرانی کیفیت پیدا ہو گئی تھی غالباً اس کے نتائج بڑے خطرناک ہو سکتے تھے اگر اس ملک کی اس متاعِ عزیز کو قدرت کی طرف سے اپنی نقد جان پیش کرنے کی دعوت نہ دی جاتی۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ مطلع پر شک و شبہ۔ بے اعتمادی و جذبات پرستی کے جو بادل چھا گئے تھے وہ کچھ چھٹ سے گئے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کسی نیند کے ماتے کو جھنجھوڑ کر اچانک خواب سے بیدار اور غفلت سے ہوشیار کر دیا گیا ہے قرآن مجید کا ارشاد "عَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـئًا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ" اسی حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہے لیکن خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو قدرت کی طرف سے اس طرح کی نازل کی ہوئی عبرتوں اور تنبیہوں سے سبق لیتے ہیں اور اپنے کردار و فکر میں تبدیلی پیدا کر کے عدل و انصاف اور سچائی کے راستہ پر گامزن ہو جاتے ہیں۔

ہم کو اپنے بھائیوں کے اس صدمۂ جانکاہ میں ان کے ساتھ دلی ہمدردی ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم شہید کو مغفرت و بخشش کی نعمتوں اور رحمتوں سے سرفراز فرمائے اور جو امانت وہ قوم کے سپرد کر گئے ہیں وہ ہر بلا کی چشم زخم سے محفوظ رہ کر ایک صالح اور عدل پرور سوسائٹی کے پیدا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو۔ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔